فکر و نظر............ اسلام آباد　　　جلد: ۴۶　شمارہ: ۲،۱

قرآن کی تصویر☆

سیّد ابوالخیر کشفی

قرآن حکیم کتاب عجائب الغرائب ہے۔ یہ ایک ایسی دنیا ہے جس کے اسرار و رموز ہر دور میں انسانوں کے سامنے نئے انداز سے اُبھرتے آتے ہیں اور یوں ہی اُبھرتے رہیں گے۔ ہمارے علم کی سطح جیسے جیسے بلند ہوتی جاتی ہے، کائنات پر ہمارا عمل تسخیر جس درجہ وسیع تر ہوتا جاتا ہے، قرآن اپنے معارف کو اسی نسبت سے آشکار کرتا جاتا ہے۔ انسانوں نے اس کتاب عظیم کے بارے میں ہر دور میں جو کچھ کہا ہے وہ اسی لیے مختلف ہے۔ ہم زمان و مکان کے دائرے میں رہ کر سوچ سکتے ہیں۔ اسی لیے قرآن کی تفسیر، اس کی تعلیمات اور اس کے مطالعے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ ہم قرآن کی صفات اور خصوصیات کو اس کی اپنی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ کوشش ہماری تمام ذاتی کوششوں کی نسبت حقائق سے قریب تر ہو گی۔ ''قرآن اپنی تفسیر آپ ہے،، اس جملے کو پھیلایئے تو ایک طرف یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ قرآن کی تعلیمات نہایت واضح ہیں اور دوسری طرف اپنی تفسیر آپ ہونے کا یہ مفہوم بھی واضح ہو جائے گا کہ قرآن کی نوعیت، اس کے دائرے اور احاطہ کی وسعت، اس کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کا تعارف،اسی کتاب کے وسیلہ اور مدد سے ممکن ہے۔

اس مطالعہ میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ اس کتاب کی اہم صفات جس ترتیب سے اس میں آئی ہیں اسی ترتیب سے پیش کی جائیں۔

کتاب

قرآن کریم کے آغاز ہی میں ہمیں اس کا یہ تعارف ملتا ہے:

﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾(۱)

اس کتاب میں کوئی شک و شبہ نہیں یہ متقیوں کے لیے رہنما ہے۔

کتاب کے لفظ کے ساتھ ہی پہلا تصور جو ہمارے ذہنوں میں ابھرتا ہے وہ ایک مرتب چیز کا ہے، منتشر اوراق کو کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ قرآن نے کئی مقامات پر اپنے آپ کو کتاب کہا ہے۔ اس

☆ قرآن نمبر، جلد ۲، سیارہ ڈائجسٹ، نومبر ۱۹۶۹ء

سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسے نبی اکرمﷺ نے وحی ربّانی کی روشنی میں مرتب فرمایا اور ایک مرتب و منظّم شکل میں انسانیت کو عطا فرما کر تکمیلِ فریضۂ نبوت و رسالت فرمائی۔ قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں پر ہی غور کیجیے تو اس کی ترتیبِ محکم واضح ہو جائے گی۔ رہی بات تکرار کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اہم احکام کی وضاحت مختلف صورت حال situations کے تحت کی گئی ہے۔ یا اہمیت کو ابھارنے کے لیے بعض احکام کو دہرایا گیاہے۔یا تصریفِ آیات کا مقصد خالص نفسیاتی اور تعلیمی ہے کہ مختلف انداز یا ایک ہی انداز سے ایک بات کو وقفہ وقفہ کے ساتھ یوں دہرایا جائے تاکہ وہ بات کے مرحلے سے گزر کر ''مسلکِ حیات'' کا اشارہ اور قرینہ بن سکے۔

کتاب کے اس عام اور مروجہ مفہوم سے آگے بڑھیے تو عربی زبان کی رو سے کتاب کے اور بھی کئی معانی سامنے آتے ہیں۔کتاب مجموعۂ قوانین کو بھی کہا جا سکتا ہے، بلکہ وہ کتاب جو احکام و قوانین کا مجموعہ ہو اسے ہی ''الکتاب'' کہنا زیب دیتا ہے۔ اس معنی کو قرآنی آیات کی روشنی میں پرکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ کا مطلب یہی ہوا کہ تم پر روزے فرض کیے گئے۔ قرآن کے باب میں کتاب کے انھی معانی کی وضاحت ''سورۃ النساء'' کی اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ﴾(۲)

(اے رسولؐ) ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ تم اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو''۔

شک و شبہ سے بالا

کتاب کے معنوں کی اس وضاحت کے بعد ہم قرآن حکیم میں قرآن کے پہلے تعارف کی طرف لوٹتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں، اور جو متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس کتاب میں شک و شبہ اس لیے نہیں کہ یہ خدائے علیم و خبیر کی نازل کی ہوئی ہے۔ قرآن نے تنزیل کے لفظ سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ وحی ایک خارجی شے ہے اور نبی کے ذہن کی پیداوار نہیں چودہ صدیاں اس حقیقت پر گواہی دے رہی ہیں کہ اس کتاب میں کل شک تھا، نہ آج شک ہے (اور نہ کل ہو گا) آج علوم کی تیز رفتاری کا عالم یہ ہے کہ بعض کتابیں چھپنے کے دوران ہی پرانی ہو جاتی ہیں لیکن وحی الٰہی کے حقائق اتنے محکم ہیں کہ چودہ صدیوں نے انہیں اور ابھار دیا ہے۔

هُدیٰ

اس کتاب محکم نے اپنے تعارف میں اپنے کو ھُدیٰ کہا ہے ۔ ہم نے اس کا ترجمہ '' رہنما'' لکھا ہے۔ یہ ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھری اور دوسرے مترجمین کے یہاں بھی ملتا ہے اور اس لفظ کے لغوی معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ ھُدیٰ کے معنی ہیں راستہ دکھانے کے لیے آگے آگے چلنا۔ زندگی کی تاریک راہوں کو ہمارے لیے قرآن نے اسی طرح روشن کیا ہے اس لفظ کے بنیادی معنوں میں رہنمائی کے ساتھ ساتھ روشنی کا مفہوم بھی موجود ہے۔ وہ چیز جو روشن ہو (اور جس کی روشنی میں دوسری اشیاء بھی صاف نظر آئیں) ھُدیٰ ہے جیسے دن۔ قرآن کی اس روشنی کا نتیجہ ہے کہ اس کے بتائے ہوئے حقائق کے بارے میں کوئی شک شبہ باقی نہیں رہتا لیکن قرآن کی یہ رہنمائی، یہ ہدایت اور روشنی، متقی لوگوں کے لیے ہے۔ لفظ متقی کا ترجمہ ''ڈرنے والے'' مکمل نہیں۔ تقویٰ قرآن کی ایک نہایت جامع اصطلاح ہے اور اردو میں اسے قبول عام حاصل ہے، اسی لیے کسی دوسرے لفظ کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ قرآن میں اکثر مقامات پر تقویٰ کے ساتھ اللہ کا ذکر ضرور ہے اس سے قرآنی تقویٰ کی وضاحت خود بخود ہو جاتی ہے ۔متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی حفاظت اور نگہداشت کے متمنی ہیں جو ہر اس چیز سے احتیاط اور اجتناب برتتے ہیں جو احکام الٰہی کے مطابق نہ ہو۔ متقی اپنی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کے احکام کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کوشش میں اسوۂ حسنۂ نبویؐ کو نمونہ کے طور پر اپنے سامنے رکھتا ہے متقی احکام الٰہی سے پیوست رہتا ہے اور فاجر (متقی کی ضد) وہ ہے جو راستے سے علیحدہ ہو جائے۔

فرقان

یہ کتاب جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور جو متقیوں کی رہنمائی کرتی ہے، ان حقائق کا مجموعہ ہے جو اس سے پہلے دوسری آسمانی کتابوں میں پیش کیے گئے تھے۔ اور جن کو وقت گزر جانے کے ساتھ ان مذاہب کے متبعین نے مسخ کر دیا تھا یا چھپا دیا تھا۔ اس کتاب کے ذریعہ وہی حقائق واضح طور پر انسانوں کے سامنے آ گئے۔ یہ وہ مجموعۂ قوانین ہے جس نے تمام چھپی ہوئی حقیقتوں کو اس طرح بیان کر دیا کہ حق و باطل الگ الگ ہو گئے۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کا احاطہ انسان کی عقل نہیں کر سکتی تھی۔ قرآن نے اپنے حقائق کو بیّنات کہا ہے۔

﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَ الۡفُرۡقَانِ﴾(۳)

وہ رمضان ہی کا مہینہ ہے جس میں (اوّل اوّل) قرآن نازل ہوا، جو لوگوں کا رہنما ہے

اور جس میں ہدایت ہے، کھلی ہوئی نشانیاں (بیّنات) ہیں اور فرقان ہے۔

مبین اور بیّنات کے بیان کردہ مفہوم سے بیّنات کی وضاحت اس کے مروجہ ترجمہ یعنی ''ہدایت کی کھلی ہوئی نشانیاں'' کی نسبت زیادہ بہتر طور پر ہو جاتی ہے۔ ''فرقان'' کے لفظ میں بھی مبین کے معنی کسی حد تک موجود ہیں۔ فرقان الگ الگ کر دینے والے کو کہتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جس نے حق و باطل کو ہمیشہ کے لیے الگ الگ کر دیا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ یہ کتاب ''مبین'' بھی ہوتی ۔ اللہ کی وحی ہر دور میں فرقان رہی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے عہد میں ایک طرف فرعون، قارون اور ہامان کی مشترکہ قوتیں باطل کے آستانے پر انسانیت کے سر کو جھکانا چاہتی تھیں اور دوسری طرف موسیٰؑ کے ذریعہ خدا حق کو آشکار کر رہا تھا۔ قرآن کریم نے توریت کو بھی فرقان کہا ہے۔ اسی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وحی الٰہی ہر زمانے میں فرقان رہی ہے۔

مبیّن و مصدّق

قرآن حکیم نے صحفِ اولیٰ کی بنیادی تعلیمات کو اپنے دامن میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن کی اس خصوصیت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے اسے کتابِ مُبیّن اور مُصدِّق قرار دیا ہے۔ یہ کتاب تورات اور دورے صحف کی مصدق ہے (البقرہ ۴۲، ۸۹) فرمایا: ''اس (جبرئیل) نے تو یہ کتاب اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے''۔(۴)

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ......﴾ اللہ نے ہمیشہ انسانوں کو فسانہ وفسوں کی بھول بھلیوں سے بچانے کے لیے اپنے انبیاء کے ذریعہ وحی کی صورت میں حقائق کے تحفوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ انسانوں نے ان حقائق کو فسانہ وفسوں کے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی لیکن قرآن حکیم نے ان کوششوں کے سلسلہ کو ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد بنا دیا اور وہ اس طرح کہ قرآن کے دامن میں صحفِ اولیٰ کے حقائق بھی جگمگا رہے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ وہ حقائق جن میں کوئی شک و شبہ نہیں اور جو رہنمائی کرتے ہیں وہ ابدی ہیں۔ وقت اور زمانہ سے بلندتر۔

مصدّق کے معنی ہیں تصدیق کرنے والا اور سچ کر دکھانے والا۔ سچ کر دکھانے کے لیے قوت ایک بنیادی عنصر کا درجہ رکھتی ہے۔ قرآن نے تعلیماتِ الٰہی اور انسانی زندگی کی بنیادی اقدار کو نبی اکرمﷺ اور ان کے ساتھیوں کے وسیلے سے سچ کر دکھایا۔

قرآن اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، وہ کتابیں جن میں انسانوں کی مختلف جماعتوں اور ادوار کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحی موجود تھی۔ وحی الٰہی کا مقصد انسانوں کی رہنمائی ہے۔ رہنمائی کا تعلق اعمال سے ہے۔ تمام صحفِ سماوی اور قرآن میں اچھے اعمال کے لیے بشارت دی گئی ہے اور برے اعمال کے نتیجہ سے ڈرایا گیا ہے۔ (یہ کام نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے ہوا اسی پر حضور کو بشیر و نذیر کہا گیا۔

بشریٰ

قرآن کو اللہ تعالیٰ نے بشریٰ یعنی خوشخبری اور بشارت کا نام بھی دیا ہے۔ چنانچہ کہا: و بشریٰ للمؤمنین.(۵) ''اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو'' (البقرۃ: ۹۷) قرآن ہمیں بشارت دیتا ہے کہ اچھے اعمال کا نتیجہ دونوں جہانوں کی سرفرازی ہے، ہمیشگی کی زندگی اور جنت ہے۔ یہ بشارت ہمارے لیے مہمیز اور قوت محرکہ کا کام دیتی ہے۔ قرآن کی آیت کریمہ مبشرات ہیں۔ ایسی ہوائیں جو رحمت اور بشارت کے بادلوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے آتی ہیں۔

نُزولِ بالحقّ

وہ کتاب جس میں شک وشبہ نہ ہو، جوایسے حقائق سے عبارت ہو جوظن و گمان کی اس دنیا میں کبھی نہیں بدلتے جو دوسری کتابوں کی مصدّق ہو، جو حق و باطل کو الگ الگ کرتی ہو، اس کے بارے میں اس کے بھیجنے والے کہ یہ کہنا ان خصوصیات کو سمیٹ لینے کے لیے ہے کہ:

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾(٦)

اللہ نے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے۔

حق کے ساتھ نازل کرنے کا یہ منطقی اور لازمی تعلق مصدّق کے ساتھ ہے۔اسی کتاب کو ہم حق کہہ سکتے ہیں جس کی تمام تعلیمات وقت کی گردشوں پر غالب آئیں اور جس کے دامن میں وہ ربّانی تعلیمات محفوظ ہوں جو ابتدائے کائنات اور آغاز وحی سے زمانۂ نزول قرآن تک انسانی زندگی کی شیرازہ بندی کرتی رہی تھیں۔

﴿نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِیْلَ﴾(۷)

اس نے (اے محمد ﷺ) آپ پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے توریت اور انجیل نازل کی۔

حق کے سلسلے میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حق میں دو عناصر ہیں: (۱) صحت (۲) پائیداری، ثبات و دوامِ صحت اور ثبات کے عناصر جس چیز ہوں گے، اسے ایک محسوس شکل عطا کر دیں گے۔

قرآنی تعلیمات محسوس و مشہود شکل میں نبی اکرم ﷺ اور ان کے رفقاء کی زندگی میں یوں ابھریں کہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد نقشِ پا کی شوخی آج بھی یہ کہہ رہی ہے کہ کوئی ابھی ابھی یہاں سے گزرا ہے۔ جب حقیقتیں محسوس طور پر سامنے آتی ہیں تو ان کے نتائج بھی ہم مرتب شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔ قرآن اس لیے بھی حق ہے کہ اس کی تعلیمات میں صحت و دوام ہے اور اس لیے بھی کہ اس کی تعلیمات کے یہ پہلو انسانی زندگی میں نتائج کے طور پر مرتب ہو چکے ہیں۔ حق کی لازمی پہچان یہ ہے کہ وہ باطل کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

(اقبال)

حق اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے اور حالات اس کے سانچے میں ڈھلتے رہتے ہیں ایک محترم بزرگ نے حق کے معانی کی قرآنی توضیح کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''جو زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دے سکے'' (۸) یہ توضیح گمراہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ حق زمانے کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ زمانے کے تقاضے اس کا ساتھ دیتے ہیں۔(۹) کیونکہ حق صاحبِ حکمت بھی ہے اور صاحبِ تخلیق و ایجاد بھی۔ اللہ اسی لیے حق ہے اور رسول و قرآن بھی اسی مفہوم کے اعتبار سے حق ہیں۔ حق کا مقابل لفظ ''ظن'' ہے جس طرح اسلام و کفر اور ظن و حق کا فرق یہی تو ہے:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

مومن میں آفاق اس لیے گم ہوتے ہیں کہ حق اسے صاحب فقر غیّور بنا دیتا ہے۔ حق کے سلسلہ میں قرآن نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ یعنی حق (وحی الٰہی) ایک خارجی شے ہے۔ محض نبی کے ذہن کی پیداوار نہیں۔ خدا اسے نازل کرتا ہے، آدمی کا علم اسے منکشف نہیں کرتا۔

حق کا استحکام و ثبات اسے محفوظ رکھتا ہے، اسی لیے اللہ نے اپنی کتاب کو ''ذِکْریٰ'' اور

''تذکرة'' کہا ہے۔

ذکر

﴿ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَ الذِّکْرِ الْحَکِیْمِ﴾(۱۰)
(اے محمد) ہم تم کو یہ آیات اور حکمت بھری نصیحتیں (ذکر الحکیم) سناتے ہیں۔

ذکر اس شے کو کہتے ہیں جو ذہن میں محفوظ ہو، جو بھلائی نہ جا سکے۔ علاّمہ ابنِ مکرم صاحبِ تاج نے لکھا ہے کہ جو کتاب تفاصیل دینی اور قوانینِ امم پر حاوی ہو وہ ذکر ہے۔ قرآن میں دین کی تفاصیل بھی ہیں اور پرانی امتوں کے قوانین بھی محفوظ ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کے تذکرے بھی۔ تذکرہ کے معنی ہیں۔ یاد کرنا اور یاد دلانا۔

قرآن نے کہانی کے طور پر اپنے پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لیے پرانی قوموں کے حالات نہیں پیش کیے ہیں۔ بلکہ اس لیے کہ ہم ان کے نتائج اور انجام کی روشنی میں اپنی روش حیات کا تعین کر سکیں۔

آج دنیا کے دوسرے مذاہب کی کتابیں (بالخصوص عہد نامۂ عتیق و جدید) جس صورت میں ہمیں ملتی ہیں وہ افسانہ کی صورت میں ہیں، ایسے افسانے جن کی دلچسپیوں میں ہم گم ہو جائیں اور جب سطح پر ابھریں تو رہنمائی کا کوئی تابناک اور درخشاں موتی ہمارے ہاتھ میں نہ ہو۔

فسانہ و فسوں میں گم شدہ ذہن صحفِ سماوی اور کتابِ قوانین سے بھی دلچسپی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جون۔ڈی یہانن John D. Yohannan نے ''ایشیائی ادب'' کے ایک مجموعہ میں قرآن کریم کے انتخاب سے پہلے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے۔ ''کہ ادب کے ایک کارنامہ کی حیثیت سے یہ شدید دباؤ کے تحت ہے، کیونکہ لازمی طور پر دنیا کے دوسرے سامی مذاہب کے صحف سے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔(۱۱)

قرآن حکیم کے اسالیب و خصوصیات کے بارے میں آپ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ اس نمبر میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے پیشِ نظر اس خیال پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ قرآن جہاں روح، جنت اور اللہ کے انعامات کا ذکر کرتا ہے وہاں الفاظ، پَر جبرئیل کی آواز بن جاتے ہیں اور جہاں احکام و ہدایت دیتا ہے وہاں ہر لفظ زندگی کی طرح سنگین ہے۔ اسالیب کا یہ تنوع اس کے اعجاز کا ایک پہلو ہے۔

ذکر کے معنی عظمت اور بڑائی کے بھی ہیں۔ اس اعتبار سے بھی یہ کتابِ جلیل ''الذکر'' ہے۔

جس آیتِ کریمہ (آل عمران آیت ۵۸) کا اقتباس ابھی آپ نے پڑھا ہے اس میں ''ذکر الحکیم'' کے ساتھ ساتھ ''آیات'' بھی کہا گیا ہے۔ آیت نشانی کو کہتے ہیں۔ اللہ کی نشانیاں ہماری ذات اور کائنات دونوں میں موجود ہیں۔

اے انفس و آفاق میں پیدا تری آیات ہیں

قرآن حق ہے اور اس اعتبار سے اللہ کی سب سے محکم آیت اور نشانی ہے (ویسے قرآن کے ہر حکم یا جملہ کو آیت کہا جاتا ہے) اللہ ہمارے دائرہ ادارک سے باہر ہے۔

ع ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

اور اس مسجود کے لیے قبلہ نمائی کے فرائض قرآن حکیم ادا کر رہا ہے۔ یہ معبود کی طرف سب سے اہم اشارہ ہے۔ اس میں غور و فکر لقائے رب کا وسیلہ بنتا ہے۔

موعظت

وہ کتاب جو بہت واضح ہو، جو قوانین کا مجموعہ ہو، جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہو، جس کی بیان کردہ باتیں مستحکم حقائق کا درجہ رکھتی ہوں اور جس میں ایمان والوں کے لیے ''بشارت'' ہو۔ اس کا ایک پہلو ''وعظ'' ضرور ہوگا اور وہ کتاب موعظت کے درجہ پر ضرور فائز ہوگی۔ ہدایت اور موعظت کا رشتہ حد درجہ منطقی ہے۔ جو چیز رہنمائی کرے گی، وہ راہ کے خطروں سے بھی ڈرائے گی۔ جیسے سڑک پر خطرے کے مختلف علامتیں اور عبارتیں ملتی ہیں۔ موعظۃ کے معانی ہیں ''اعمال کے اچھے برے نتائج سے با خبر کرنا'' اس طرح کہ دلوں کی کیفیت بدل جائے۔ بعض ائمہ لغت نے اس میں حکم کے پہلو کو بھی شامل کیا ہے یعنی صرف خبر دینا بلکہ نہیں حکم دینا اور (بری باتوں سے) روک دینا۔ اسی اعتبار سے قرآن نے اپنے آپ کو موعظت کہا ہے۔

''ھٰذا بیان لّلنّاس و ھدًی وّ موعظۃ لِّلمتقِین''(۱۲)

یہ (قرآن) انسانوں کے لیے بیان اور اہل تقویٰ کے لیے ''ہدایت'' اور ''موعظت'' ہے۔

یعنی اس کتاب سے ایک طرف تو عام انسانوں کو دین حق کے بارے میں حقائق معلوم ہوتے ہیں اور دوسری طرف مومنوں اور متقیوں کے لیے یہ کتاب ہدایت ہے۔ ایسی کتاب جو برے اعمال اور غلط روش کے نتائج سے آگاہ کرتی ہے اور حکماً ان سے روکتی بھی ہے۔

علم

ہدایت اور موعظت کے لیے لازمی ہے کہ وہ حق ہو اور حق کا تعلق علم سے ہے۔ قرآن اللہ کا علم ہے۔ اس اجمال کی تفصیل مناسب ہو گی۔ اللہ نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ''اللہ نے جو کتاب تم پر نازل کی ہے اس کی نسبت وہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ کافی ہے گواہی کے لیے''(۱۳)

یہ ہے قرآن کے بارے میں اس کے بھیجنے والے کا بیان اور خطاب اپنے رسولؐ سے۔ ''علم'' یقین اور حقیقت کے احاطہ و ادراک کو کہتے ہیں۔ یقین اور حقائق کی بنیادی دلیل و برہان پر ہوتی ہے حق اور علم کو محض جذبات کا سہارا نہیں لینا پڑتا بلکہ حق اپنے کو دلیل اور عقل کی بنیادوں پر منواتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ عقلی طور پر حقائق کو قبول کرنے کے بعد ہم انہیں اپنے جذبات کے پیکر میں ڈھال لیں۔ عقل اور دل کے درمیان اتنے فاصلے نہیں ہیں جن کا عام طور ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک طرف اگر مومن کی پہچان یہ بتائی گئی کہ ''اس کتاب کو سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔''(۱۴) تو دوسری طرف اسی جماعت کے لیے کہا گیا ہے کہ ''وہ اس کتاب پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے''۔(۱۵) بلکہ اسے ذہنی اور عقلی طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ اس کتاب کی تفصیلات علم کے ستونوں پر بلند کی گئی ہیں: فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ(۱۶)

برہان اور نور مبین

قرآن برہان ہے اور یہ برہان بھی ایسی واضح کہ اسے ''نور مبین'' کہا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾(۱۷)

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمھارے پاس برہان آچکی اور تمہاری طرف واضح نور بھیج دیا۔

''برہان'' روشن اور مستحکم دلیل کو کہتے ہیں۔ باطل کے پاس بودی دلیلیں تو ہوتی ہیں لیکن برہان نہیں ہوتیں۔ اسی لیے قرآن نے اپنے مخالفین سے کہا کہ ''اگر تم سچے ہو اپنی دلیلیں اور برہان لاؤ'' ظاہر ہے کہ باطل کے ترکش میں برہان کا تیر کہاں سے آیا؟ قرآن نے اپنے کو برہان کے ساتھ ساتھ نور بھی کہا ہے اور اس نور کے ساتھ ساتھ مبین کی صفت بھی آئی ہے۔ گویا قرآن کی دلیلیں خود بھی روشن ہیں اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کر دیتی ہیں۔ اس طرح یہ برہان (اور کتاب) اپنا ثبوت

آپ ہے۔

جو معروضات پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں غور فرمایئے تو حقیقت سامنے آئے گی کہ نور کا ہدایت (ھدیٰ) سے گہرا اور راست رشتہ ہے۔ جو چیز نور نہ ہو وہ سبب ہدایت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نور اشیاء، ارادوں، افراد سب کے مقام کا تعین کرتا ہے۔ جو شے حقیقی معنوں میں نور ہوگی وہ وسعت اور فراخی سے ہم کنار ہوگی۔ اس کا دائرہ اور احاطہ وسیع ہوگا۔ قرآن نور بھی ہے، اللہ کے احکام کے نور کا سفر بھی ہے اور سفر کی داستان بھی۔ یہ نور جو ہر دور میں وحی کے ذریعے انسانوں کو ملا۔ اس طرح قرآن نور، حق، ہدایت، اور ان تمام صفات جن کا ذکر آچکا ہے یا آئے گا، کے ساتھ ساتھ مہیمن ہے۔ مصدّق اور مہیمن میں نہایت لطیف فرق ہے۔ قرآن نے ان دونوں صفات کو ایک ساتھ استعمال کر کے اس فرق کو اور ابھار دیا ہے۔

﴿وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ مُہَیۡمِنًا عَلَیۡہِ﴾(۱۸)

قرآن اللہ کے ابدی قوانین (جو پہلی کتابوں میں آچکے ہیں) کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ان کا پوری طرح احاطہ بھی کیے ہوئے ہے۔ اسی لیے ان صفات کی روشنی میں اسی آیت میں آگے چل کر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور جو حق تمہارے پاس آچکا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا" قرآن حکیم صحف اولیٰ کا مہیمن اس لیے ہے کہ اس کے سہارے انسان اپنی منزل تک پہنچ سکے اور منزل تک پہنچنے کے لیے اسے جس سہارے کی ضرورت ہے وہ یہی ابدی تعلیمات ہیں۔ اسی لیے قرآن نے اپنے آپ کو بلاغ بھی قرار دیا ہے۔

﴿وَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَکُمۡ بِہٖ وَ مَنۡۢ بَلَغَ﴾(۱۹)

اور یہ قرآن مجھ پر اس لیے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم کو اور جس تک پہنچ سکے اسے آگاہ کردوں۔

اِنذار (ڈراوے) کا ذکر بشارت کے ساتھ ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ بشارت اور اِنذار دونوں سے مل کر ایک بات کی تکمیل ہوتی ہے۔ قرآن مومنوں کے لیے بشارت ہے تو غلط روش حیات کو اپنانے والوں کے لیے اِنذار اور تنذیر۔ اِنذار آگاہ کرنے کو کہتے ہیں۔ کسی چیز (خطرے) کے نتائج سے آگاہ کرنے کو جو ابھی واقع نہ ہوئی ہو۔ قرآن نے زندگی کے دو اسالیب کو صاف صاف پیش کر دیا ہے ایک اسلام اور دوسرا کفر۔ ایک کے لیے بشارت ہے، دوسرے کے لیے اِنذار۔ لیکن اس ڈراوے

اور آگاہی سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے دل مقفّل نہ ہوں۔ کان کھلے ہوں اور آنکھیں دیکھ رہی ہوں ورنہ:

﴿سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ﴾(۲۰)

ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

قرآن حکیم کی جو صفات اللہ تعالیٰ نے اس مقدس اور آفاقی کتاب میں بیان فرمائی ہیں وہ ایک دوسرے سے جس قدر وابستہ ہیں ان کا ہلکا سا اندازہ حقیر کوشش سے ہو سکتا ہے۔ میری ناچیز رائے میں یہ صفات اس ترتیب کے ساتھ آتی ہیں کہ ہر صفت اپنے بعد آنے والی صفت کی وضاحت کر دیتی ہے۔

مبارک

وہ کتاب جو انسانیت کے لیے ہدایت، بشارت اور حکمت ہے وہ کتنی مبارک ہو گی؟

﴿وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوۡهُ وَ اتَّقُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ﴾(۲۱)

''اور یہ مبارک کتاب (بھی) ہم نے نازل کی ہے پس اس کی پیروی کرو اور (اللہ کا) تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

''مبارک'' کی وضاحت اسی آیت کریمہ میں تقویٰ اور رحم سے ہوگی ہے۔ مبارک وہ چیز ہے جس میں ایسا ثبات ہو، یا ایسا ثبات دوسروں کو عطا کرے جس میں استحکام کے ساتھ نمو بھی ہو، یعنی بڑھتے رہنے کی صلاحیت۔ اردو میں یہ لفظ اپنی وسعتوں کے ساتھ منتقل ہوا ہے۔''اس کے ہاتھ میں کتنی برکت ہے''۔ ''اس کے قدم ہمارے گھر کے لیے کتنے مبارک ثابت ہوئے''۔ ثبات اور نمو کے ساتھ ساتھ برکت میں خیر وفلاح اور کثرت کے معنی بھی موجود ہیں۔

مفصّل

قرآن فرقان ہے۔ اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ کتاب اللہ نے اپنے آپ کو فرقان کے ساتھ ''کتاب'' ''بیان'' اور آیات'' بھی کہا ہے۔ ان سب لفظوں میں وضاحت کے معنی ہیں۔ ایسی وضاحت جو روشن ہو اور چیزوں کو الگ الگ کر دے۔ پھر یہ ''علم'' بھی ہے۔ وہ علم جس میں تفصیل ہو۔ ان حقائق کے پیش نظر خالق اکبر نے اپنی کتابِ حمید کو مفصّل کہا ہے۔

﴿وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡكُمُ الۡكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾(۲۲)

اور وہی تو ہے جس نے تمہای طرف مفصل کتاب بھیجی۔

قرآن دین و کفر اور حق و باطل کے درمیان حد فاصل ہے اور اس اعتبار سے یہ کتاب مفصل ہے۔ پھراس لحاظ سے بھی، کہ نہایت وضاحت رکھنے والی کتاب ہے۔ وضاحت کا مفہوم ذہن میں واضح ہونا چاہئے۔ اس کے احکام میں الجھن نہیں۔ یہی صفائی وضاحت ہے۔ وضاحت تفصیلات کو نہیں کہتے۔ قرآن کے احکام میں کہیں الجھن نہیں۔ اس میں جہاں تفاصیل اور عملی شکلیں نہیں دی گئی ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ انہیں اسوہ حسنہ نبی ﷺ میں تلاش کیا جائے جو قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اشارات کی تفصیل ہے۔

رحمت

انسانیت گمراہی وضلالت کی وادیوں میں بھٹک رہی تھی، کہیں بھی روشنی نظر نہیں آتی تھی۔ ان حالات میں یہ مبارک، مفصل اور ہدایت کرنے والی کتاب رحمت بن کر نازل ہوئی۔

﴿فَقَدْ جَآءَ كُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ﴾(۲۳)

یہ کتاب انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایسی دین اور عطا ہے جس نے اس کی کمیوں کو دور کر دیا ہے۔ کمی دو قسم کی ہوسکتی ہے داخلی اور خارجی۔ داخلی کمی کا تعلق انسانوں کی دنیا میں تہذیب، ثقافت اور انداز فکر سے ہوتا ہے اور خارجی کمی کا تعلق تمدن، معاشرتی زندگی اور رہن سہن سے۔ قرآن نے ان دونوں کمیوں سے انسان کو نجات دلا دی۔ ایک طرف توحید، رسالت، قیامت، عدل، مساوات، اخوت، اور ایسی ہی دوسری بنیادی اقدار کی بنا پر ذہن کی دنیا میں انقلاب برپا کیا اور دوسری طرف سیرت اجتماعی کو اس ذہنی انقلاب نے یکسر بدل دیا۔ رحمت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کے کئی معنوی پہلو shades ہیں، رحمت کمیوں کو دور کرنے والی عطا اور بخشش کو بھی کہتے ہیں اور حفاظت کرنے کو بھی۔ قرآن نے نقصانات اور خسرو نامرادی کے طوفانوں کے مقابل میں انسان کواپنے دامن رحمت میں چھپا لیا۔ مجموعی طور پر وحی الٰہی کو رحمت کہا گیاہے اور قرآن کو خالص طور پر کیونکہ قرآن حکیم پر سلسلۂ وحی ختم ہوا اور اس میں قیامت تک کے لیے انسانوں کے واسطے سامان رحمت ہے۔ رحمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ عطا اور بخشش جو ضروریات کے مطابق ہو۔

بصائر

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو بصائر کہا ہے۔

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾(۲۴)

بصائر جمع ہے اور کتاب کو بصائر کہنا بلاغت کی اعلیٰ ترین مثال بھی ہے اور اس کتاب کے مقام اور کے ایک پہلو کا نہایت ہی جامع احاطہ بھی۔ وہ یوں کہ قرآن واضح دلیلوں اور واشگاف حقیقتوں کا مجموعہ ہے، ایسی حقیقتیں جن میں چمک اور روشنی ہو یہی وضاحت اور روشنی بصیرت کو دیکھنے سے اور بصر کو نظر سے ممتاز اور علیحدہ کر دیتی ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کا اظہار یوں فرمایا ہے۔

﴿وَ تَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَ هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾(۲۵)

ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

حکمت

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾(۲۶)

کتاب حکیم کی آیتیں ہیں۔

"والقراٰن الحکیم"(۲۷)

قسم قرآن باحکمت کی۔

"حِكْمَةٌ بَّالِغَةٌ"(۲۸)

یہ کتاب حکمت بالغہ سے عبارت ہے۔

حکمت کا ترجمہ عام طور پر دانائی کیا گیا ہے، لیکن دانائی اتنا چھوٹا لباس ہے جو اس عظیم اصطلاح کے جسم پر راست نہیں آ سکتا۔ حکمت میں قوت فیصلہ انصاف، حسن اور تناسب کے سب مفہوم ہیں۔ قرآن کو حکمت بالغہ کہا گیا ہے، کیونکہ یہ انسان کو اُن فیصلوں، اس تناسب اور مقام عدل تک پہنچاتی ہے جو اس کی منزل ہے۔ حکمت میں قوت کا عنصر بھی شامل ہے اور یہی عنصر اسلامی نظام مملکت کو ایک نظام حکمت بنا دیتا ہے۔

شفاء

شفاء صحت اور بیماری کے بعد حصول صحت کو کہتے ہیں۔ انہیں بنیادی معنوں کی وجہ سے اس میں استعارہ کا پہلو پیدا ہو گیا اور علاج اور دوا کو بھی شفاء کہا جانے لگا۔ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے شفاء کہا ہے کیونکہ یہ انسان کی روحانی، ذہنی، سماجی اور عمرانی بیماریوں کا علاج ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾(۲۹)

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے موعظت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ گئی۔

مافی الصدور کا اشارہ قلب کی طرف ہے ۔ قلب جس کی صحت سارے جسم بلکہ انسانی معاشرے کی صحت ہے اور اگر گوشت کا یہی ٹکڑا بیمار ہو تو سارا جسم (اور روح) بیمار ہوتا ہے یعنی پوری زندگی بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

عبرت

سورۂ یوسف میں قرآن (اور اس کے قصص) کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

﴿عِبۡرَةٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَاب﴾(۳۰)

ان میں سوچنے والوں کے لیے عبرت ہے۔

یعنی یہ واقعات ایسے ہیں جن کی مدد سے انسان ان جیسے دوسرے واقعات و اعمال کے نتائج تک پہنچ جائے۔ ایک منزل سے دوسری منزل کو عبور کرنا۔ عبور کا لفظ اردو میں ان معنوں میں مستعمل ہے۔ تاریخ عبرت کا سامان اسی لیے ہے کہ اس سے ہم مختلف طریقہ ہائے حیات اور اسالیب زیست کے نتائج کو سمجھ لیتے ہیں اور اس تقسیم کے لیے ان نتائج کو آنکھوں سے دیکھنا ضروری نہیں۔ قرآن نے اسی عبرت کی خاطر تاریخ کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسے وقائع نگاری کی سطح سے بلند کر کے فلسفہ کی اس سطح تک پہنچا دیا جس نے عہدحاضر کو تاریخ کے مفہوم حقیقی سے آشنا کرایا۔

عظیم

سورۃالحجر میں (آیت ۸۷) قرآن کو "القرآن العظیم" کہا گیا ہے۔ عظیم بنیادی اہمیت کی حامل چیزوں کو کہتے ہیں، مثلاً انسانی جسم میں ہڈی کو، کسان کے ہل میں لکڑی کو وغیرہ وغیرہ عظمت میں اہمیت، بڑائی اور پاکیزگی کے مفاہیم موجود ہیں۔ قرآن عظیم اس لیے ہے کہ اس کی بنیادی تعلیمات اہم ہیں اور انسان کو بڑائی اور پاکیزگی عطا کرتی ہیں۔ اللہ نے اپنے آپ کو بھی انہی معانی کے پیش نظرعظیم کہا ہے۔

خیر

سورہ النحل میں ارشاد ہے:

﴿وَ قِیۡلَ لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا مَاذَآ اَنۡزَلَ رَبُّکُمۡ قَالُوۡا خَیۡرًا﴾(۳۱)

اور جب متقیوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ خیر۔

عربی کی طرح اردو میں بھی خیر کا لفظ ''شر'' کے مقابل میں استعمال ہوتا ہے ۔ہر چیز جو عزیز ہو، منفعت بخش ہو، اچھی ہو، خوبی رکھتی ہو اور بلند مرتبہ ہو، وہ خیر ہے۔ قرآن میں یہ لفظ کئی معنوں میں آیا ہے مثلاً (۱) شر فتنہ اور ادنیٰ کے مقابلے میں (۲) مال و دولت کے لیے (۳) منتخب اور برگزیدہ افراد کے لیے (اخیار) (۴) عمدہ اشیاء کے لیے (۵)حسین اور صاحب کردار خواتین کے لیے (خیرات) قرآن نے وحی الٰہی کو بھی اس لیے خیر کہا ہے کہ اس لفظ کی ان وسعتوں کے پیش نظر اس کا مروجہ اردو ترجمہ بہترین یا ''بہترین کلام'' بہت تنگ معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ ''خیر'' کا لفظ جب ہماری زبان نے قبول کر لیا ہے تو اس کے ترجمہ کی کونسی ضرورت ہے؟ قرآن خیر ہے۔ کیونکہ اس میں عزت، نفع بخشی، خوبیاں، مرتبہ، بلند، تناسب، حسن، یہ سب چیزیں ہیں اور اس کی پیروی سے یہی چیزیں مومنوں کو انفرادی طور پر اور پھر اجتماعی طور پر نصیب ہوتی ہیں۔ اپنی اجتماعی زندگی کو قرآن کے مطابق ڈھالنے کا مطالبہ اس لیے کیا جا رہا ہے کہ یہ برکتیں ہمارے معاشرے کی بنیاد بن سکیں۔

احسن

خیر کے معنوں کا ایک نہایت اہم پہلو حُسن ہے۔ قرآن صرف حسین نہیں بلکہ احسن ہے۔

﴿وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾(۳۲)

تم کو چاہیے کہ اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے حکموں پر چلو۔

یعنی خدانے جو کچھ نازل کیا ہے اس میں حد درجہ تناسب و توازن ہے۔ ایسا تناسب جو انسانی زندگی اور ذہن کی کمیوں کو پورا کر دیتا ہے۔ جہاں حسن ہو گا وہاں سیئات اور گناہوں کی گنجائش نہ ہوگی۔

عزیز

﴿وانّه لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ﴾(۳۳)

وہ ایک کتاب عزیز (عالی مرتبت کتاب) ہے۔

اگلی ہی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے، کیونکہ یہ حکیم حمید (اللہ) کی نازل کردہ ہے (حٰم سجدہ:۴۲) عزیز صاحب قوت، صاحب غلبہ اور محافظ

و رفیع کو کہتے ہیں۔ یہ صفت قرآن میں اللہ تعالیٰ کے لیے بار بار آتی ہے کیونکہ اس کے پیغام پر عمل کر کے مسلمان قوت و غلبہ حاصل کر سکتا ہے اور ایسی بلندی پر پہنچ سکتا ہے کہ ستارے اس کی گرد راہ ہوں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمانوں نے کتاب اللہ کو مضبوط رسی کی طرح ہاتھ میں پکڑا تو دنیا کی ہر طاقت اور سارے معبودان باطل اس کے سامنے جھک گئے۔ آج ہم عملی و نظری طور پر اس کتاب عزیز سے اتنے دور ہیں کہ اس میں ایسے انداز حیات کا سراغ تلاش کرتے ہیں جو ہمیں ترک جہان کی لذت عطا کر سکے۔

اسی قرآن میں ہے اب ترک جہان کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر

میزان

''خیر'' اور احسن میں توازن اور تناسب پر گفتگو ہو چکی ہے۔ یہی احساس عدل و تناسب ہمیں ''میزان'' کے لفظ میں بھی ملتاہے۔ عدل ان ابدی اور بنیادی اقدار میں سے ہے جو قرآن نے حیات انسانی کو عطا کی ہیں۔ عدل کے لیے پیانہ کی ضرورت ہے۔ میزان یہی پیانہ ہے۔ "وضع المیزان" یعنی اللہ نے تمام اشیاء میں ایک ''عدل'' توازن اور تناسب رکھ دیا ہے۔ قرآن کو اس لیے اللہ نے میزان کہا ہے کہ اس سے ہم اشیاء اور بالخصوص انسانی زندگی کے توازن واعتدال کو ناپ سکتے ہیں ۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ﴾(۳۴)

اللہ ہی ہے جس نے اس کتاب (قرآن) کو انصاف اور حق کے ساتھ نازل فرمایا۔

امام

قرآن کو اللہ تعالیٰ نے امام بھی کہا ہے۔ اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب لوگوں کے لیے امام اور رحمت تھی۔ (الاحقاف:آیت ۱۲) یعنی قرآن بھی امام ہے۔ امام کا لفظ ھدیٰ کے تصور کو اور آگے لے جاتاہے۔ امام آگے آگے رہنے یا چلنے والے کو کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں قرآنی تعلیمات کو امام بنا کر زندگی کا راستہ طے کرنا چاہیے۔

عربی

قرآن نے اپنے آپ کو قرآناً عربیاً کئی جگہ کہا ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ چونکہ یہ کتاب عربی میں نازل ہوئی ہے اس لیے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا۔ لیکن اگر غور

کیا جائے تو خود قرآن میں ایک اور پہلو سے اس کی یہ وضاحت بھی ملتی ہے۔

﴿وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا﴾(۳۵) ”اور اسی طرح ہم نے اس کو اس طور پر نازل کیا کہ وہ ایک خاص حکم ہے عربی زبان میں“۔ یہاں ”حکم عربی“ سے مراد واضح حکم کے ہیں۔ ایسا حکم جو فصیح زبان میں ہو۔ عربی کے معنی صرف جغرافیائی حد تک، محدود نہیں بلکہ فصیح اور واضح کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا کہ ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ﴾ یعنی جس کی کیفیت یہ ہے کہ عربی قرآن ہے جس میں ذرا کجی نہیں (الزمر۲۸) یہاں ”غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ“ ”عربیا“ کی تشریح ہے یعنی قرآن جو بہت واضح اور سیدھا ہے اور جس میں کوئی کجی نہیں۔ یعنی یہ کتاب عربی زبان میں نازل ہوئی اور اس کی تعلیمات بہت واضح اور سیدھی ہیں۔ ہر کجی سے پاک، ہر دور کے لیے رہنما اور روشن۔

☆☆☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

۱۔ البقرہ:۲

۲۔ سورہ النساء: ۱۰۵

۳۔ البقرہ: ۱۸۵

۴۔ البقرہ:۹۷

۵۔ البقرہ آیت ۹۷

۶۔ البقرہ: ۱۷۶۔ بالحق کا ٹکڑا قرآن کریم میں اس کتاب کے لیے کتنے ہی مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً ۲: ۲۵۲، ۳:۳، ۱۰۸:۲، ۴: ۱۰۵، ۵: ۴۸ وغیرہ۔

۷۔ آل عمران: ۳

۸۔ زمانے کے بدلتے تقاضوں کا ایک تصورِ فاسد ہماری ذہنی دنیا میں مغربی فلسفے نے لا ڈالا ہے، اور ہمارے ”دانشور“ قرآن اور دین کو اس تصور کے تابع کرنے کے لیے زور لگا رہے ہیں۔ اس ساحرانہ کلمہ میں جو کلیہ مخفی ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ نظریات بھی رائج ہو جائیں، ادارات جو شکل بھی اختیار کر لیں، ثقافت جس طرز پر بھی ڈھل جائے، انسانی ذہن و اخلاق میں جو بگاڑ بھی آ جائے، اسے تقدیر غیر معتبدل سمجھ کر نہایت فدویانہ طریق سے قبول کر لینا چاہیے، اور آیات و احکامِ قرآن اور فرمودات و اسوہ رسولؐ کو بھی زمانے کے بدلتے تقاضوں کے سانچے میں ڈھال کر نت نیا مفہوم دے لینا چاہیے۔ یعنی وہی صورت کرنی چاہیے کہ ”خود بدلتے نہیں، قرآن کو بدل دیتے ہیں“۔

۹۔ اور امت مسلمہ کو تو برپا ہی اس مقصد کے لیے کیا گیا ہے کہ جب زمانہ حق سے انحراف کر کے کچھ تقاضے پیدا کر دے تو زمانہ کی رد کا مقابلہ کر کے اُن تقاضوں کو تابع قانونِ الٰہی کر دیا جائے۔ کتابِ الٰہی تو ”زمانہ ستیز“

مسلک سکھاتی ہے، نہ کہ ''بازمانہ بساز'' کا۔

۱۰۔ ال عمران: ۵۸

۱۱۔ ٹریژری آف ایشین لٹریچر، مطبوعہ نیو امریکن لائبریری، اشاعت پنجم، ۱۹۶۴ء، ص ۳۸۹

۱۲۔ ال عمران: ۱۳۸

۱۳۔ النساء:۱۶۶

۱۴۔ المائدۃ: ۸۳

۱۵۔ الفرقان:۷۳

۱۶۔ الاعراف: ۵۲

۱۷۔ النساء: ۱۷۴

۱۸۔ المائدہ: ۴۸

۱۹۔ الانعام :۱۹

۲۰۔ البقرۃ:۶

۲۱۔ الانعام: ۱۵۵

۲۲۔ الانعام ۱۱۴

۲۳۔ الانعام: ۱۵۷

۲۴۔ الاعراف:۲۰۳

۲۵۔ الاعراف: ۱۹۸

۲۶۔ یونس: ۱

۲۷۔ یٰس: ۲

۲۸۔ القمر: ۵

۲۹۔ یونس: ۵۷

۳۰۔ یوسف:۱۱۱

۳۱۔ النحل: ۳۰

۳۲۔ الزمر: ۵۵

۳۳۔ حٰم السجدہ: ۴۱

۳۴۔ الشوریٰ: ۱۷

۳۵۔ الرعد:۳۷

☆☆☆☆☆